قال اللہ تعالیٰ

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

اصلاحِ انقلاب

یعنی

مسلمانوں کے تنزل کے اسباب اور اُن کا علاج!

از
محمد احتشام الحسن غفرلہٗ

قیمت ۵

(داعی جید برقی پریس دہلی)

مذہبی جذبات پیدا کرنے والی کتابیں

تصنیفات

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور

حکایات صحابہؓ اردو جن کے پڑھنے اور سننے سے مرد عورت اور بچوں کے قلوب میں یکساں طور پر مذہب کے بلند جذبات اسلام کے صحیح ولولے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ایمان کی بے پناہ قدر و قیمت کا پتہ چلتا ہے۔ قیمت ۱۲ر

فضائل ذکر اردو اس میں وہ آیات و احادیث جمع کی ہیں جن میں ذکر کی برکات کلمہ طیبہ کے فضائل اور سوم کلمہ یعنی تسبیحات فاطمہؓ کے ثواب وارد ہوئے ہیں۔ خاتمہ میں صلوۃ التسبیح کا مفصل بیان ہے۔ قیمت عہ

فضائل قرآن مجید اردو یہ ان حدیثوں کا مجموعہ ہے جن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کی برکتیں فضیلتیں بیان فرمائی ہیں حفظ کرنے کرانے پڑھنے پڑھانے اور اس سلسلہ میں کوشش و انتظامات سے جیسے جیسے درجے حاصل ہوتے ہیں ان کو ارشاد فرمایا ہے۔ تلاوت کے ظاہری و باطنی آداب کند ذہنوں کے لئے قرآن شریف جلد یاد ہونے کا مجرب عمل بھی درج ہے اور فضیلت قرآن میں ایک حدیث جو چالیس حدیثوں کا مجموعہ اور نہایت مختصر ہے جس کے کرنے سے وہ اجر و ثواب بھی حاصل ہوتا ہے جو چالیس حدیثوں کے یاد کرنے پر وارد ہوا ہے جو حضرات تعلیم قرآن کی طرف متوجہ نہیں یا اس پر معترض ہیں وہ اسکا مطالعہ ضرور فرمائیں۔ قیمت ۵

اسلامی سیاست

شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کا اپنے ایک مخلص خادم کے نام وہ مفصل و مبسوط خط جس میں مسائل کے متعلق سات سوالات کے جوابات انتہائی سنجیدگی اور متانت سے تحریر فرمائے گئے ہیں قیمت ۲ر

فضائل نماز مولف نے اپنے نرالے اور دلکش انداز میں ان احادیث کی شرح فرمائی ہے جن میں نماز پڑھنے کی فضیلت نماز چھوڑنے پر اخروی عذاب اور دنیوی نقصان جماعت کے ثواب اور اس کے ترک کی سزا اور خشوع و خضوع کی کیفیت بھی ہر مضمون کے مناسب صحابہ اور بزرگوں کے قصے درج فرمائے ہیں۔ قیمت چھ آنے (۶ر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی من بعث رحمۃً للعالمین
وعلیٰ اصحابہ واتباعہ اجمعین

مسلمانوں کی زبوں حالی پریشاں خیالی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ ہر شخص حیران اور انگشت بدنداں نظر آتا ہے۔ جو بھی قدم آگے کو اٹھایا جاتا ہے وہ پیچھے پڑتا ہے۔ جس قدر عزت و شوکت کی خواہش کی جاتی ہے اسی قدر ذلت و اہانت کا سامنا ہوتا ہے۔ جس قدر باہم اتفاق و اتحاد کی تدابیر سوچی جاتی ہیں اسی قدر افتراق اور تشتت بڑھتا جاتا ہے ہر جماعت دن رات اسی دھن میں لگی ہوئی ہے کہ مسلمان آگے بڑھیں اور ترقی کریں۔ مگر یہ قوم ہے کہ برابر ترقی معکوس کر رہی ہے عقل انسانی ششدر و حیران ہے کہ آخر یہ کیا ماجرا ہے؟

اسی زمین کے اوپر اسی آسمان کے نیچے سو دو سو سال نہیں بلکہ ایک ہزار سال سے زائد جس قوم نے انتہائی شان و شوکت، عزت و حشمت کے ساتھ زندگی بسر کی اور فرمانروائی اور حکمرانی کی۔ آج روئے زمین پر کوئی خطہ ایسا نظر نہیں آتا جہاں وہ عزت و آبرو کے ساتھ اطمینان کا سانس لے سکے۔ زمین سے مصائب اور مشکلات پیدا ہو رہی ہیں۔ آسمان سے بلائیں نازل ہو رہی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز بدلہ لینے پر تلی ہوئی ہے بقول انوری

ہر بلائے کز آسماں آید | گرچہ بر دیگراں قضا باشد

برزمین نارسیدہ می پرسد — خانہ انوری کجا باشد

یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہے۔ اب دو صورتیں ہیں۔ حسرت سے اس منظر کو دیکھتے رہیئے یا غور و فکر کے بعد ان اسباب کو تلاش کیجیے جو ہماری تباہی اور بربادی کا اصلی باعث ہیں پھر ہمت و استقلال سے اس کے تدارک کے لئے جد و جہد کیجیے۔

مسلمان قوم مردہ ہونیکے باوجود بھی زندہ ہے۔ فنا ہو جانیکے بعد بھی باقی ہے اور ابتک اس نیم جان جسم میں وہ زور و قوت موجود ہے کہ کوئی دوسری قوم اس کو فنا نہیں کرسکتی۔ دنیا کی کوئی زبردست قوت اس سے ٹکرا نہیں سکتی۔

آپ کو حیرت ہوگی کہ میں ایک ہی قوم کو زندہ بھی سمجھ رہا ہوں اور مردہ بھی۔ توانا بھی کہہ رہا ہوں اور ناتوان بھی۔ مگر واقعہ کچھ ایسا ہی ہے اور میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوں۔ مسلمان کو آپ کچھ بھی کہیے مگر اس خدا پرستی کی بنا پر جس کی کچھ جھلک اس میں پائی جاتی ہے کمال انسانیت کا نمونہ ہے۔ یہی اسکی زندگی کی نشانی ہے اور یہی اسکی توانائی کا راز ہے۔ غیر قومیں چونکہ اس نعمت سے محروم ہیں اس لئے وہ اسکے مقابلہ میں بے شعور مورتیاں ہیں۔

البتہ اس قوم نے اپنے ہاتھوں اپنے کو تباہ و برباد کیا۔ اور نادانی سے صحیح راستہ چھوڑ کر ہلاکت و بربادی کی راہ اختیار کی۔ اگر یہ قوم صحیح راستہ پر استوار رہتی تو دنیا اسکے قدموں تلے رہتی اور کسی دوسری قوم کو سر اٹھانے کا موقع نہ ملتا۔

من از بیگانگان ہرگز نہ نالم — کہ با من انچہ کرد آں آشنا کرد

تاریخ عالم شاہد ہے کہ مسلمان قوم جب کبھی نرغہ میں پھنسی اپنا صحیح راستہ چھوڑ کر پھنسی اور جب ہوش و حواس درست کرکے صحیح راستہ پر آگئی تمام حالات خود بخود استوار ہو گئے۔

اسوقت مسلمانوں کی ترقی کے دو راستے ہیں۔ اور دونوں بظاہر جدا جدا ہیں۔ اور ایک دوسرے سے متصادم۔ مشکلات ہر جگہ سدِ راہ ہیں جن کا حل ناگزیر ہے۔

ایک راستہ یہ ہے کہ ہم بھی دوسری قوموں کی طرح ماضی کو چھوڑ کر آگے بڑھتے چلے جائیں اور مستقبل کے خوشنما خواب کی خاطر اپنا امتیازی اور خصوصی سرمایہ کھو بیٹھیں۔ اسمیں قدم قدم پر دشواریاں پیش آئیں گی۔ راستہ کی الجھنوں کو اپنے دماغی غور و فکر کے ساتھ خود سلجھانا پڑیگا۔ پھر منتہا پر یہ معلوم نہیں کہ مقصود تک پہنچیں یا یوں ہی بھٹکتے پھریں۔ بدقسمتی سے آج مسلمانوں نے یہی راستہ اختیار کیا ہوا ہے جسکی وجہ سے ہر ہر قدم پر دشواریوں اور الجھنوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ایک مہم کو بمشکل حل کیا جاتا ہے کہ دوسری مشکل تر مہم درپیش ہوتی ہے۔ وقت اور قوت دونوں بیکار ضائع ہو رہے ہیں۔ اعلیٰ قابلیت والے دماغ تھک کر مایوس ہو رہے ہیں۔ جوں جوں آگے بڑھنا چاہتے ہیں منزلِ مقصود دور ہوتی جاتی ہے۔ جتنا آگے بڑھتے ہیں اس سے زیادہ پیچھے نظر آتے ہیں۔ اغیار کی اس کورانہ تقلید کے پیچھے پڑے ایک صدی کے قریب ہو گیا مگر نتیجہ جو کچھ ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہے۔ سو سال پہلے جن امتیازی خصوصیات اور محاسن و خصائل کے مسلمان مالک تھے آج ان سے دست بردار ہو رہے ہیں اور حاصل بجز حسرت و حرمان کچھ نہیں۔ اگر اس راہ میں ٹھوکریں کھا رہے ہیں تو غلطی ہماری ہے کہ ہم نے وہ راستہ اختیار کیا جس کی منزل معلوم نہیں۔ نتیجہ کی خبر نہیں۔ رہرو سب ہیں رہنما کوئی نہیں ؎

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی   کایں رہ کہ تو میروی بکفرستان است

مسلمان پھر بھی مجرم و خطا کار نہیں وہ دانستہ اس گمراہی میں مبتلا نہیں ہوئے بلکہ نادانی سے دھوکہ کھا کر غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے جس راستہ پر دوسری قوموں کو گامزن پایا وہ سمجھے کہ

ہماری ترقی کا بھی یہی راستہ ہو۔ حالانکہ ان کی ترقی کا راستہ اور ہو اور ہماری ترقی کا راستہ اور۔ ان کی منزلِ مقصود الگ ہو اور ہمارا انتہائے نظر جدا۔

دوسرے مذاہب کی تعلیمات اپنے اصلی رنگ و روپ میں نہیں ہیں، وہ جس قدر بھی ان من گھڑت رسومات سے دور ہوں گے اسی قدر انسانیت سے قریب تر ہوتے جائینگے۔ برخلاف اسلام کے کہ اسکی تمام تعلیمات آج بھی بعینہ وہی ہیں جو ساڑھے تیرہ سو سال پہلے تھیں اور اس کی ہر تعلیم کمال انسانی کے لئے جزو لازم کا درجہ رکھتی ہو۔ پس جسقدر مسلمان اسلامی تعلیمات سے دور ہوتے جائینگے اسی قدر کمال انسانی سے بعید ہوتے جائینگے۔ پھر دوسروں کی ترقی محض دنیاوی عروج ہے اور بس۔ اور ہمیں دنیا کا عروج اسی قدر درکار ہو جو خدا اور رسول کی حکم برداری اور فرمانبرداری کے ماتحت ہو اسلئے کہ ہماری ہر ترقی اور کمال خدا اور رسول کی حکم برداری کے ساتھ وابستہ ہو۔

اب اگر مسلمانوں کو کمال انسانی سے آراستہ ہوکر زندگی بسر کرنی ہو تو اس کا راستہ علیحدہ ہو۔ اسکی صورت صرف یہی ہو کہ بجائے آگے بڑھنے کے پیچھے ہٹیں اور سو دو سو سال نہیں بلکہ پورے ساڑھے تیرہ سو سال پیچھے ہٹ جائیں اور عہد نبوی سے قریب تر ہوجائیں جس قدر پیچھے ہٹیں گے اسی قدر آگے بڑھیں گے جسقدر اسلامی تعلیمات کو مضبوط پکڑینگے اسی قدر کمال انسانی سے آراستہ ہونگے اور مہذب و ترقی یافتہ بنیں گے۔ بشرطیکہ دورنگی نہو صرف اسلام کیساتھ وابستگی ہو اور پوری وابستگی ع

دودل بودن دریں رہ سخت ترعیب است سالک را

یہ دوسرا راستہ جانا بوجھا اور آزمایا ہوا ہو۔ اسمیں چنداں غور و فکر اور نشیب و فراز سوچنے کی حاجت نہیں۔ بے سوچے سمجھے آنکھ بند کرکے اس شاہراہ پر چلنا شروع کیجیے

جب آنکھ کھلے گی تو منزلِ مقصود سامنے ہو گی۔ انشاءاللہ۔

اِنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۝ بیشک یہی میرا سیدھا راستہ ہے تم اسکی پیروی کرو۔

اب سوال یہ رہ جاتا ہو کہ موجودہ زمانہ میں ہم اسلام پر کاربند ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر اسلام پر کاربند ہوں تو ہماری ترقی کی کیا معراج ہو گی؟

شریعت اسلام ہر زمانے اور ہر قوم کے مناسب ہے

جس بنانے والے نے انسان کو بنایا، زمان و مکان کو بنایا وہ علیم و حکیم ہے۔ انسان کی فطرت زمان و مکان کی طبیعت ہر شے سے پورے طور پر باخبر ہو جب اس نے خود انسان کی ترقی و فلاح کے لیے ایک دستور العمل بھیجا جسمیں انسانی دماغ کو ذرہ برابر دخل نہیں تو اب اس سوال کی گنجائش ہی نہیں کہ یہ دستور العمل فطرت انسانی کے موافق ہو یا نہیں؟ اور موجودہ زمانہ کی ساخت اس کو قبول کر سکتی ہو یا نہیں؟

جب انسان اور زمان و مکان کا بنانیوالا خود یہ خبر دے رہا ہو کہ یہ دستور العمل ہر زمانہ میں تمام بنی نوع انسان کے لیے ترقی کا واحد ذریعہ ہو تو پھر اس میں آپ کو شبہ کیوں ہے؟ اور انکار کی کیا وجہ؟

ایک قانون جب ابتداءً سامنے آتا ہو تو وہ نظری ہوتا ہو اور اپنے اعتماد کے لئے دلائل و براہین کا محتاج ہوتا ہو۔ لیکن جب اس قانون کو برتنا شروع کر دیا جاتا ہو اور اسکے نتائج اور ثمرات عملی صورت میں مشاہدہ ہو جاتے ہیں تو پھر وہ نظری نہیں رہتا بلکہ بدیہی بنجاتا ہو اور کسی دلیل و حجت کا محتاج نہیں رہتا۔ اس دور میں اسلامی قانون کوئی نیا نظریہ نہیں جسکے ثبوت کے لئے دلیل و حجت درکار ہو۔ یہ ایک آزمودہ تجربہ شدہ قانون ہو اسکی کامیابی میں شک کرنا دنیا کی ہزار سالہ تاریخ کو جھٹلانیکا مرادف ہو۔

پھر اگر اس قانونِ فطرت کو چھوڑ کر اختیار بھی کئے جائیں تو وہ غیر فطری قوانین جنکے انسانیت سوز مناظر سے دنیا تنگ آچکی ہے۔ اگر یہ عقل کا فتور نہیں تو کیا ہے؟

آج جس حیوانیت اور بربریت کا برملا مظاہرہ ہو رہا ہے جس بے دردی سے انسانیت کا خون بہایا جا رہا ہے یہ جدید ترقی کی ادنیٰ گل کاریاں ہیں۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ

محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

یہ اصولی باتیں ہیں جو ناقابلِ انکار ہیں پھر بھی تسکین خاطر کے لیے اسلامی تعلیمات کا تجزیہ کر لیا جائے جس سے خود بخود اس دعوے کی صداقت آشکارا ہو جائے گی۔

اگر عقل و شعور والا انسان ہٹ دھرمی اور تعصب سے یکسو ہو کر اسلام کے مفہوم، اسلام کے مقصد پر بصیرت کی نگاہ ڈالے گا تو یقیناً وہ یہ ماننے پر مجبور ہو گا کہ بنی نوع انسان کی تمام مشکلات کا حل اسلام کیساتھ وابستگی ہے۔ اور اسلام کے ساتھ وابستہ ہونے میں نہ صرف بنی نوع انسان بلکہ کل کائنات کی خیر خواہی ہے۔ غور کرو گے تو خود واضح ہو جائیگا کہ کائنات کی ہر نوع کو مادی ہوں یا روحانی، جمادات ہوں یا حیوانات، نباتات ہوں یا حشرات، اسلام سے حظ وافر نصیب ہوا ہے۔ یہ اسلام ہی کی خوبی ہے کہ ہر نوع کے برتنے کا بہترین طریقہ تلقین فرمایا۔ یہ مشاہد و محسوس قرینہ ہے۔ اور غیر محسوس بات یہ ہے کہ جب خدا کی مخلوق نافرمانی پر اتر آتی ہے اور بدکاری و بدکرداری کی زیادتی ہو جاتی ہے تو دنیا کی ہر چیز پر ادبار اور نحوست مسلط ہو جاتا ہے۔ اور جب خدا کی مخلوق اسکی اطاعت اور فرمانبرداری میں مصروف ہوتی ہے نیکی اور نیک کرداری کا دور ہوتا ہے تو دنیا کی ہر شئے سرسبز و شاداب رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو مقدس ہستی اس پیام کو لیکر آئی وہ کل کائنات کے لیے پیامِ امن و رحمت بن کر آئی۔ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ٥

نیز اس بحث کو پھیلانا نہیں چاہتا اور نہ دریا کو کوزہ میں بند کرنا میرے بس کی بات ہے۔ البتہ انسانی دماغوں سے اس قدر اپیل ہے کہ وہ خود فراموشی کو چھوڑیں اور اپنی حقیقت کو پہچانیں۔ جو انسان لامتناہی کمال حاصل کرنے کے لیے بنایا گیا جسکی ترقی کی حد فہم و ادراک سے بالاتر تھی وہ غفلت و نادانی سے اپنا صحیح راستہ چھوڑ کر نہ یہ کہ لازوال نعمتوں اور غیر متناہی ترقیات سے محروم ہو گیا۔ بلکہ ذلت و اہانت کے بیشمار مدارج طے کر چکا۔

تمام کائنات پر غور کیجیئے تو کوئی ذرہ بیکار نظر نہ آئے گا ہر شے کو انسان کیخاطر بنایا گیا۔ کوئی چیز ایسی نظر نہیں آتی جس سے انسان مادی و روحانی فوائد حاصل نہ کرتا ہو اور کیوں نہ کرے؟ جب سب کچھ اسی کے لیئے بنایا گیا۔

وَخَلَقْنَا لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا — اور پیدا کیا ہم نے تمہارے لیے جو کچھ زمین میں ہے سب۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند — تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

جس بنانے والے نے کائنات کے ہر ذرہ کو انسان کے لیئے مفید اور کارآمد بنایا تو کیا اُسنے ان کروڑوں انسانوں کو بیکار اور عبث پیدا کیا؟ یا انکی پیدائش کا کوئی اہم مقصد ہے؟

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝ — کیا خیال کرتے ہو تم کہ پیدا کیا ہمنے تم کو بیکار اور کیا تم ہماری طرف نہ لوٹائے جاؤ گے۔

ع عالم ہمہ افسانہ ما دارد و ما ہیچ

انسان کی پیدائش کا مقصد ایک اور صرف ایک ہے اور وہ خالق کی بندگی اور غلامی

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ — اور نہیں پیدا کیا جن و انس کو مگر اس لیے کہ میری بندگی کریں۔

گویا بنانیوالے نے کائنات کی ہر چیز کو انسان کیلئے بنایا اور انسان کو اپنی بندگی اور غلامی کیلئے بنایا۔ اس بندگی اور غلامی کی عملی تشکیل کا نام اسلام ہے جسکا مکمل ترین نمونہ سرور دوجہان خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی مقدس جماعت ہے۔ پھر صحابہ کرام کی زندگی ہے جنھوں نے اپنے کو اس سانچہ میں ڈھالا اور اس نمونہ کے نقش ثانوی بنے۔

ظاہر ہے کہ جو شخص اپنے کو اپنے خالق اور مولا کی غلامی اور بندگی میں لے آئے گا کائنات کی ہر شے اس کے ماتحت اور زیر دست ہوگی۔ صحابہ کرام کی زندگی کے واقعات اس کے لئے شواہد عدل ہیں اور خالق و مولا کی غلامی اور بندگی سے کنارہ کش ہو کر ہمیں کوئی حق نہیں کہ ہم اس کی بنائی ہوئی چیزوں سے منتفع ہوں۔ ہمارا یہ انتفاع ایک مجرمانہ اقدام ہے۔ جس سے یہاں چشم پوشی ہے مگر سخت باز پرس یوم حساب ہوگی

"بندگی کا مقصد"

خالق اور مولیٰ کی عالی ذات تمام "صفات کمالیہ" کو جامع ہے اور ہر کمال کو احاطہ کئے ہوئے ہے مشیت ایزدی نے چاہا کہ یہ "اسرار کمالیہ" منظر عام پر آئیں۔ تاکہ اس راز سربستہ کا قدرے عرفان حاصل ہو۔

پس ان "کمالات قدسیہ" کو اوامر اور احکام کا لباس دیکر اس عالم میں نازل کیا گیا جن کا مورد انسان کو بنایا۔ پھر ان کمالات کا مظہر بھی انسان ہی کو بنایا۔

ہر امر خداوندی بیشمار کمالات اور منافع پر مشتمل ہے اور ترقی کا مستقل دروازہ ہے۔ جو انسان جس قدر اوامر خداوندی کی پابندی کرے گا اسی قدر کمالات کا مظہر بنے گا اور ترقیات سے بہرور ہوگا اور جو انسان تمام اوامر خداوندی کو بجالے آیا وہ تمام کمالات اور ترقیات پر حاوی ہو گیا۔ یہی "کمال بندگی" ہے اور یہی مقصود زندگی ہے۔

پھر یہ منافع بھی کسی غیر کے لئے نہیں بلکہ خود اسی کی ذات کے لئے ہیں

کچھ اس عالم میں ملیں گے اور کچھ اُس عالم میں

مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ — نہیں ارادہ کرتا اللہ تاکہ کرے تم پر کوئی تنگی ۔ ولیکن ارادہ کرتا ہے تاکہ پاک کرے تمکو اور تمام کرے اپنی نعمت کو تم پر شاید تم شکر کرو

وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ — اور جو کوشش کرتا ہے کوشش کرتا ہے اپنی ذات کے لئے بیشک اللہ بے نیاز ہے تمام جہانوں سے

انسان کو چونکہ اپنی بندگی کے لئے بنایا تھا اس لئے اس کی فطرت میں غلامی اور محکومی کا مادہ اس حد تک رکھ دیا گیا کہ وہ کسی حال میں بھی آزاد اور خود مختار زندگی بسر نہیں کر سکتا لامحالہ کسی قوت کے سامنے محکوم و مجبور ہوگا ۔ اگر بظاہر کسی قوت کا دست نگر نہ ہوگا تو نفس و شیطان کا محکوم ہوگا اس لئے کہ فطرت انسانی کا بدلنا ناممکن اور محال ہے ۔ البتہ اگر انسان دنیاوی قوتوں سے آزاد ہونا چاہے اور مکمل آزادی خواہاں ہو تو اس کی صورت صرف یہ ہے کہ اپنے خالق کی غلامی کا طوق گردن میں ڈال لے ۔ سر تا پا مولیٰ کا بندہ بنجائے ۔ جب رب العالمین کی غلامی اور محکومی اختیار کرلیگا براہ راست اپنا تعلق جوڑے گا تو کائنات کی ہر قوت سے بے نیاز اور بالاتر ہوگا یہ وہ مکمل آزادی اور خود مختاری جو کمال انسانی کی ابتدا اور اسلام کا پہلا سبق ہے جس کو ہم نسیاً منسیاً کر چکے ۔

آج مسلمانوں میں سب کچھ موجود ہے ۔ اگر نہیں ہے تو وہ شے جسکو ہونا چاہیے تھا جسکے ساتھ ان کا عروج اور بقا وابستہ تھا مسلمان خدا کی خدائی اور یکتائی کا اقرار کرتے ہیں ۔ نمازیں پڑھتے ہیں ۔ روزے رکھتے ہیں ۔ حج ادا کرتے ہیں ۔ زکوٰۃ دیتے

لیکن یہ سب ارکان اسلام ہیں نفس اسلام نہیں۔ ظاہر ہے اگر چند خوشنما مضبوط ستون کھڑے کر دیئے جائیں تو اس کو مکمل عمارت کسی صورت سے بھی نہیں کہا جا سکتا ایسی حالت میں یہ عمارت ناتمام ہی رہے گی۔

مسلمان قرآن شریف کی تلاوت بھی کرتے ہیں۔ علوم دینی بھی حاصل کرتے ہیں۔ درس بھی دیتے ہیں۔ مواعظ حسنہ کہتے بھی ہیں اور سنتے بھی ہیں۔ مگر یہ سب معرفت خداوندی کے ذرائع اور سواریاں ہیں۔ اگر کوئی ذریعہ مقصود تک نہ پہنچائے تو وہ ذریعہ نہیں رہتا جو سواری منزل تک نہ پہنچاتی ہو وہ راحت جان نہیں وبال جان بن جاتی ہے۔

وہ اصل شے جو روح اسلامی اور اساس بنیادی ہے جس کی خاطر نہ صرف انسان بلکہ کل کائنات کو وجود بخشا گیا اور گل کاریوں سے سجایا گیا جذبہ بندگی اور اعتراف بندگی ہے

زندگی از برائے بندگی است   زندگی بے بندگی شرمندگی است

بجز چند سر پھرے ملحدوں کے کوئی متنفس ایسا نہ نکلے گا جو اپنے کو خدا کا بندہ نہ کہتا ہو لیکن جو کچھ کہتا ہے عمل اس کے بالکل خلاف ہے۔ زبان سے بندگی کا اقرار ضرور ہے مگر دل میں اعتراف تو کجا احساس تک نہیں۔ اگر بندگی کا احساس ہوتا تو زندگی کا رُخ ہی کچھ اور ہوتا۔ دل کے جذبات نرالے ہوتے۔ ذمہ داری کا احساس ہوتا۔ فرائض منصبی میں پورا شغف ہوتا۔ جو کیفیت ایک ملازم کی اپنے افسر اعلیٰ کے سامنے ہوتی ہے اس سے کہیں زائد اس شخص کی ہونی چاہیے جو اپنے کو خدا کا بندہ کہتا اور سمجھتا ہو۔

اس بندے کی کیفیت کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے؟ جو رب العالمین کا حاضر باش غلام ہو اور بارگاہ خداوندی میں اپنے منصب پر فائز ہو۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر شخص

حاضر باش ہو صرف ایک غفلت کا پردہ درمیان میں حائل ہو اگر یہ پردہ ہٹا دیا جائے
پھر حضوری ہی حضوری ہے بقول حافظ :-

حضوری گر ہمی خواہی از و غافل مشو حافظ

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۝ ہم زیادہ قریب ہیں اسکے شہ رگ سے۔

ہم مانیں یا نہ مانیں بہر حال خدا کے بندے ہیں اسکی مخلوق و مملوک ہیں جب بندہ بنا کر بھیجا گیا تو بندہ تو ہر حال میں بندہ ہی رہیگا۔ فرق صرف اتنا ہو کہ اگر واقعی بندہ بنکر زندگی گزارے گا تو مولیٰ کے لطف و کرم رحمت و شفقت کا مستحق ہوگا۔ رضائے خداوندی سے سرفراز ہوگا۔ دنیا اور آخرت کی نعمتوں سے مالا مال ہوگا ورنہ لائق عتاب و سرزنش اور ہر ذلت و اہانت کا سزاوار ہوگا۔

ہمارے اسلاف نے بندگی کا اعتراف کیا اور بندہ بن کر زندگی گذاری جس کا بہترین نمونہ صحابہ کرام کی اجتماعی اور انفرادی زندگی ہو۔ اسکے ثمرات انھوں نے پائے اور دارین کی نعمتوں سے وہ فراوانی مشاہد ہوئی کہ عقل انسانی انگشت بدنداں ہو

آج ہم اس مرکز سے ہٹے اور اتنا دُور ہٹے کہ ہر ایک کی غلامی کے لئے تیار ہیں۔ ہر قوت کے سامنے سرنگوں ہو سکتے ہیں۔ اگر نہیں ہو سکتی تو خدائے قدوس کی غلامی اور بندگی۔

اصل بندگی دل و دماغ کی بندگی ہو اور یہ دونوں غیروں کی نذر ہو چکے ظاہری اعضا باقی ہیں جو خدا کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ خدا کا شکر ہو یہ بھی بسا غنیمت ہو جسکی بدولت ہمارا وجود ہو اگر اتنا بھی نہ ہوتا تو ہم کب رہتے؟ جب خدا کی خدائی کا اقرار کرنے والا کوئی نہ رہے تو یہ جہان کیوں رہے؟

غرض ہم اگر شرف انسانی سے بعید ہو گئے تو اس کی وجہ صرف یہی ہو کہ ہم اپنے مرکز "بندگی" سے دور ہٹ گئے اگر اب بھی ہم اپنے مرکز کی طرف لوٹ جائیں اور اپنے کو خوگر بندگی بنالیں تو دنیا بھر کی ساری ہمارے آگے پائمال ہو گی اور ہم وہی ہوں گے جو ہمیں ہونا چاہیے تھا انشاءاللہ۔

اس سے پہلے کہ اس مرض کا علاج تلاش کیا جائے ضروری معلوم ہوتا ہو کہ ان اسباب کو تحقیق کر لیا جائے جنکے باعث یہ عمومی عارضہ لاحق ہوا۔ بظاہر چند اسباب معلوم ہوتے ہیں۔

"تنزل کے اسباب"

(۱) انسان کی اصلاح اور درستی عمل اور کردار کی اصلاح و درستی سے ہوتی ہے جس قدر عملی زندگی صالح ہو گی اسی قدر انسان میں صلاحیت رونما ہو گی

عمل سے زندگی بنتی ہو جنت بھی جہنم بھی

وَمَن یَّعمَل مِثقَالَ ذَرَّۃٍ خَیرًا یَّرَہٗ — اور جو شخص ایک ذرہ برابر نیکی کریگا وہ اسکو دیکھ لیگا

وَمَن یَّعمَل مِثقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ — اور جو شخص ایک ذرہ برابر برائی کریگا وہ اسکو دیکھ لیگا

افراد اور اقوام کی ترقی اور تنزل کا معیار انکی عملی زندگی ہے جو شخص اعمال صالحہ سے آراستہ ہے وہ مہذب اور شائستہ ہے۔ جس قوم کے افراد میں اعمال صالحہ کا رواج ہو وہ قوم باعزت، مہذب، ترقی یافتہ شمار ہو گی۔ صحابہ کرام کی فوقیت اور برتری محض ان کے علوم و معارف کی وجہ سے نہیں بلکہ انکی عدیم المثال عملی زندگی کیوجہ سے ہے۔ علم کی ضرورت عمل کے لئے ہے۔ عالم بے عمل "چار پائے برو کتابے چند" کا مصداق ہے کَمَثَلِ الحِمَارِ یَحمِلُ اَسفَارًا

ہم نے علم کو مقصود اصلی سمجھ لیا اور عمل سے بے نیاز ہو گئے جس کا نتیجہ یہ
ہوا کہ جانتے سب کچھ ہیں اور ہیں کچھ بھی نہیں۔ کہتے بہت کچھ ہیں اور کرتے کچھ نہیں ؎

امنوا میں تو سب سے آگے ہیں پر عملوا الصالحات مشکل ہے

(۲) ابتدا اسلام میں علم اور عمل دونوں کا سبق ایک ساتھ ایک مکتب سے ہوتا
تھا۔ اُستاد کی زبان سے ایک بات سنی جاتی دل و دماغ اسکو محفوظ رکھتے۔ جوارح اسپر
عمل پیرا ہوتے اور وہ علم و عمل کا مجسم نمونہ بنکر دوسروں کے سامنے آتے۔ یونہی آگے
سلسلہ چلتا۔ چنانچہ آناً فاناً دیکھتی آنکھوں باتوں باتوں میں قوم کی قوم سنور گئی اور بالکل
کایا پلٹ ہو گئی۔ پھر علمی مراکز "مدارس" اور "عملی مراکز" "خانقاہیں" جُدا جُدا ہو گئے۔
یہاں علوم کی فراوانی تھی اور وہاں اعمال و مجاہدات میں افزونی۔ بیچارے عوام دونوں
کا ساتھ نہ دے سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قوم پیچھے رہ گئی اور افراد آگے بڑھ گئے۔ جب قوم کی
اکثریت علم اور عمل دونوں سے نا آشنا ہو گئی تو ان مراکز علمیہ اور عملیہ کا اضمحلال ناگزیر
ہو گیا۔ یہ مراکز اب بھی موجود ہیں مگر قوم ان سے بیگانہ اور یہ قوم سے جُدا گانہ۔

(۳) قوم اور ملت عوام اور خواص دونوں سے ملکر بنتی ہے جس ملت کے عوام اور خواص دونوں تربیت یافتہ ہوں اور صراط مستقیم
پر قائم ہوں وہ ملت زندہ اور ترقی یافتہ ہے۔ اور جب دونوں تعلیم و تربیت سے عاری
اور صراط مستقیم سے ہٹے ہوئے ہوں تو یہ اس ملت کی حقیقی موت ہے۔ جب عوام
کی اکثریت صراط مستقیم چھوڑ دیتی ہے تو خواص کے قدم خود بخود ڈگمگا جاتے ہیں اور
ناچار صحیح راستہ چھوڑنا پڑتا ہے۔ اس لئے کسی ملت کی حیوٰۃ کے لئے اشد ضروری ہے
کہ اسکے دستور اساسی میں ایسے مستحکم ضابطے موجود ہوں جو عوام اور خواص دونوں کو سنوار
رکھ سکیں۔ چنانچہ ملت اسلامیہ میں اس اصول کا پورا لحاظ رکھا گیا اور امت مسلمہ

کے لئے تعلیم۔ تذکیر۔ تبلیغ۔ دعوتِ حق۔ امر بالمعروف۔ نہی عن المنکر۔ جہاد فی سبیل اللہ کے ضابطے اور اصول مقرر کئے اور ان کے بقا اور عموم کی تاکید کی لیکن افسوس انمیں سے صرف دو چیزیں برائے نام رہ گئیں۔ ایک تعلیم وہ بھی عمومی نہیں بلکہ خصوصی۔ دوسرے تذکیر اس سے غرض اصلی مفقود۔ پھر جب سامان بقا نہیں تو بقا کیونکر ہو؟

(۴) شریعت اسلامی ایک مکمل دستور العمل ہے جو زندگی کے ہر شعبہ میں انسان کی پوری رہنمائی کرتا ہے اور ہر معاملہ میں انسان کو ہدایت دیتا ہے کہ اسکو اس طرح کرنا چاہیے تو گویا اسلامی ہدایت کے موافق ہر کام کو کرنا عمل صالح ہے اور اس کی ہدایت کے خلاف کرنا عمل غیر صالح اور معصیت ہے۔ مگر بدقسمتی سے مسلمانوں نے چند اوامر خداوندی کو اعمال صالحہ قرار دیکر شریعت اسلامی کے باقی تمام احکام سے غافل ہو گئے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام نظامِ زندگی بے اصول اور درہم برہم ہو گیا۔ آج ہم زندگی کے ہر شعبہ میں دوسری قوموں سے پیچھے ہیں۔ اس لئے کہ اس شعبہ کے اصول اور طریق کار سے ناواقف اور بے خبر ہیں۔

پھر جن اوامر خداوندی کے ہم پابند ہیں وہ بھی کچھ ایسی بے توجہی اور بیدلی کے ساتھ کہ نہ انسے حقیقی لگاؤ ہے، نہ انکی عظمت و محبت، نہ ان کے ثمرات اور نتائج کی طلب۔ اس بدحواسی کا یہ اثر ہے کہ ان اوامر خداوندی کی بجا آوری سے جو انقلاب عظیم ہم میں پیدا ہوتا اور جس منزلِ مقصود پر ہم پہنچتے۔ آج اس سے دور اور بہت دور ہیں۔

(۵) ہم فروعی اور جزئی باتوں میں اتنے اُلجھ گئے کہ اصولی باتیں نگاہوں سے اوجھل ہو گئیں یا بے وقعت رہ گئیں۔ اصولی باتوں سے غفلت اور بے وقعتی

یہ نتیجہ ہوا کہ اصل دین سے نا آشنا اور دور ہو گئے۔

(۶) ہم جب کوئی اصلاحی کام لیکر کھڑے ہوتے ہیں تو اس کا معیار یہ ہوتا ہے "ملت پوری صلاح یافتہ ہے صرف اسقدر ترمیم و اصلاح درکار ہے" ساری عمارت اس واہمہ پر بنائی جاتی ہے کہ ملت میں صلاحیت موجود ہے لیکن جب صلاحیت ہی نہیں تو قبولیت کہاں سے ہو؟ انجام کار وہ کام تشتت و افتراق اور بدنظمی کی نذر ہو جاتا ہے اور ناکامی ہمت توڑ دیتی ہے۔ حالانکہ قصوروار ہم خود ہیں کہ ابتدائی میں انتہائی کام اختیار کیا۔ ضرورت اسکی ہے کہ بنیادی اور تعمیری کام شروع کیا جائے جب صلاحیت تام ہو جائے تب اگلا قدم اُٹھایا جائے۔

بنیادی اور تعمیری کام کے لئے صرف وہی کار اور طریق کار مفید اور کار آمد ہو سکتا ہے جسکو ابتداء اسلام میں اختیار کیا گیا۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

(۷) ماحول سے متاثر ہو کر ہم یہ سمجھ بیٹھے کہ دنیا بھی مقصود ہے اور اسکو مقصود بنا کر سامنے رکھنا ضروری ہے۔ اس میں شک نہیں کہ کسب معاش ضروری اور اہم ہے اور محض دنیاوی اقتدار ہرگز مقصود و مطلوب نہیں۔ اصل مقصود اعلاء کلمۃ اللہ، اسلام کا اقتدار اور خدائی باتوں کی سربلندی ہے۔ پھر نتیجہ کے طور پر مسلمانوں کا اقتدار اور سربلندی لازم اور یقینی ہے۔ مگر تابع ہو کر مقصود بنکر نہیں۔ یہ ناممکن اور محال ہے کہ اسلام رسوائے عالم ہو۔ خدائی باتوں کی بر ملا بےحرمتی ہو رہی ہو اور مسلمان سربلند اور با اقتدار ہو جائیں۔

(۸) ہم جدید تمدن کی ترقی کو کمال سمجھنے لگے۔ حالانکہ اسلام کا مقصد ہر تہذیب اور تمدن کو برباد کر کے ایک سادہ تمدن و معاشرت کا نظام قائم کرنا تھا جس میں امیر، غریب، مالدار اور نادار، حاکم اور محکوم سب ایک رنگ میں ہم رنگ ہوں۔ پوری

مساوات اور یکجہتی ہو۔ آپس میں بھائی چارہ اور موالات ہو۔ اور اسود و احمر کی تفریق نہ ہو۔ باہم ہمدردی غمگساری، رواداری کا پورا مظاہرہ ہو تاکہ دنیا امن و سلامتی کا گہوارہ بن جائے۔

جب سے اس فطری نظام تمدن و معاشرت کو چھوڑا ہزاروں آفات اور مصائب میں مبتلا ہو گئے اور زندگی گذارنی دوبھر ہو گئی۔

یہ سب اندرونی کمزوریاں ہیں جو نادانی یا غلط فہمی سے سرزد ہوئیں اور نجات کا رسدراہ بن گئیں۔ ان کے علاوہ ایک بیرونی زد جو اسلام پر پڑی وہ سخت مہلک اور مسموم ثابت ہوئی۔

انقلاب سنہ ۵۷ء کے بعد یورپین قوم کا ہندوستان پر تسلط ہوا۔ اس قوم کا مقصد محض حکمرانی اور زرطلبی ہوتا تو چنداں مضائقہ نہ تھا۔ ہم مفلس و نادار ہوتے پر مسلمان ہوتے۔ مگر اس قوم نے ہمارے جان و مال پر اکتفا نہ کیا اور اپنے بقا اور تحفظ کے لئے ضروری سمجھا کہ پہلے ہمارے دل و دماغ کو ماؤف کرے تاکہ اچھے اور برے کی تمیز مٹ جائے۔ محاسن معائب نظر آنے لگیں۔ معائب اور مناقص فضائل و محامد بنجائیں گویا روح اسلامی ہم میں سے نکالکر اصل مرکز سے اتنا دور ہٹا دیا جائے کہ صرف نام اسلامی رہجائیں اور باقی ہر شے یورپین ہو۔ تاکہ ہمارے تصور اور خیال میں بھی کبھی نہ آسکے کہ اللہ احکم الحاکمین ہے۔ کل کائنات پر اسکی حکومت ہے۔ قرآن کریم اس کا دستور اساسی ہے اور مسلمان اسکے علم بردار اور ذمہ دار ہیں۔ اس مقصد برآری کے لئے نئی تعلیم و تربیت کا آغاز ہوا۔ جس کا ظاہر دلفریب اور خوشنما اور باطن مہلک و جانگداز۔ اور حکومت میں اقتدار حاصل کرنے کے لئے یہ جدید تعلیم و تربیت لازم۔

ی پہلے اپنے کو ہم جیسا بناؤ پھر حکومت وقت کے دست و بازو بنو۔

اب مسلمانوں کو دو مشکل درپیش تھی۔ اوّل اسلامی تعلیم اور اسلامی تمدن کا تحفظ اور تاکہ اسلامی تعلیمات اور امتیازی خصوصیات یک قلم نیست و نابود نہوں اور کچھ اسلامی صورتیں دکھلائی دیتی رہیں۔ دوسرے جدید تعلیم و تربیت کا حصول تاکہ حکومت وقت ے دوش بدوش چل سکیں اور ہمسایہ قوموں سے پیچھے نہ رہیں۔

ان دونوں ضرورتوں کی جانب دو جماعتوں نے توجّہ کی۔ آج اسلامی تمدن ور اسلامی تعلیم کی جو جھلک نظر آرہی ہے یہ ایک جماعت کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے اور ئی روشنی کے مناظر اور حکومت میں رسائی اور اقتدار دوسری جماعت کا کارنامہ۔

یقیناً ان دونوں جماعتوں کا تعاون کسی قدر مفید ثابت ہوتا اور وہ حالات نما نہ ہوتے جو جان لیوا بن رہے ہیں مگر بدقسمتی سے ایسے حالات پیدا ہوگئے کہ جائے تعاون اور توافق کے باہم ٹکراؤ ہوا اور ایک دوسرے سے متنفر اور بیزار ہوگئے کی سمت دوسری اُنکی سمت دوسری۔ اس کی منزل الگ اُس کی منزل الگ۔

مسلمانوں کی اکثریت جدید تعلیم و تربیت کے خوشنما اور دلفریب مناظر سے متاثر و کر عارضی منافع کے حصول کے لئے بے سوچے سمجھے اس کی طرف مائل ہوگئی اور اس رنگی سے مائل ہوئی کہ یہ تک ہوش نہ رہے کہ ہم کیا تھے؟ اور کیا ہونا چاہیے تھا؟ ر کیا بن رہے ہیں؟ ایک تھوڑی سی جماعت اسلامی تعلیمات کی حامل ہو وہ بھی اکثریت سے مرعوب اور ان کے خیالات سے متاثر۔ معدودے چند ہستیاں ایسی نکلیں گی جو اپنے ملی مرکز سے بالکل وابستہ اور اپنے مسلک میں انتہائی مستحکم اور مضبوط نظر آئیں گی۔ باقی خدا حافظ۔

جو شخص مسلمان گھر میں اور مسلمان ماں کی آغوش میں پرورش پاتا ہے اسکو خواہ کتنی بھی اسلام کے خلاف تعلیم دیجائے۔ یورپ کی ہر یونیورسٹی میں لیجاکر پورے طور پر یوروپین سانچے میں ڈھال دیا جائے مگر یہ حقیقت اس کو کبھی نہ کبھی ضرور یاد آجاتی ہے "میں مسلمان ہوں اور مسلمان کے گھر پیدا ہوں اور مسلمان ماں کی آغوش میں پرورش پایا ہوں"۔

اس لئے جب اس کو ہوش آتا ہے تو اپنی حقیقت کی طرف لوٹنا چاہتا۔ مگر اس قدر غلط راستہ سے لوٹتا ہے کہ حقیقت سے اور زیادہ دور ہو جاتا ہے وہ سمجھتا کہ میں تعلیم یافتہ ہوگیا، ہر بات بخوبی جانتا اور سمجھتا ہوں۔ حالانکہ اسلامی تعلیمات وہ بالکل بے خبر ہوتا ہے اسے نہیں معلوم کہ اسکے دماغ میں جو کچھ بھرا گیا ہے وہ اسلامی تع کے بالکل مخالف اور متضاد ہے۔ مگر وہ اپنی ہمہ دانی کے زعم میں بجائے اسلامی تعلی کے حصول اور ان میں غور و فکر کے اسلام کو اپنے دماغ کے سانچے میں ڈھالنے کوشش کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود بھی حقیقت سے اور زیادہ دور ہو جاتا ہے ا دوسروں کی گمراہی کے لئے راستہ کھول دیتا ہے جو اسلام کے لئے مستقل خ بن گیا۔ ع اے روشنی طبع تو بر ما بلا شدی۔

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

اگرچہ اب پوری کوشش اس بات کی کیجارہی ہے کہ عورتوں کو ایسی تعلیم تربیت دی جائے کہ وہ صورت و شکل میں ہندوستانی ہوں باقی ہر چیز یورپین تاکہ آیندہ آنیوالی نسلوں کے دماغ میں یہ تصور ہی نہ آنے پائے کہ وہ مسلمان گھ پیدا ہوئے تھے"۔ اسکی زندہ مثالیں موجود و مشاہد ہیں۔ خدا وہ دن نہ دکھلا۔

سیلاب بلا عام ہو اس لئے کہ اس منظر کا سامنے آنا ہمارے خاتمہ کا پیش خیمہ ہوگا
عورتوں کی تعلیم و تربیت ضروری اور بیش از بیش ضروری۔ اس ضرورت
انکار محض ناعاقبت شناسی۔ بشرطیکہ صحیح معنوں میں تعلیم و تربیت ہو اصلاح
پردے میں فساد نہ ہو۔ اس صنف نازک کو صحیح راستہ سے ہٹا دینا سہل اور بہت
ل ہو۔ مگر راستہ سے ہٹا کر پھر استوار کرنا مشکل تر مہم ہو جس کا سر کرنا بس کی بات نہیں
عورت کی مذہب سے روگردانی عالم اسلامی کی بربادی کا کھلا اعلان ہو
اس سے اہم تر خطرہ یہ پیش آیا کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ دین کے شوق میں
لم کے ذوق میں عربی تعلیم شروع کر دیتا ہو اور چند روز میں عربی زبان پر قدرت
ل کر لیتا ہو۔ اب وہ سمجھنے لگتا ہو کہ "میں عالم ہوں، قرآن کریم اور حدیث شریف
خوبی سمجھ سکتا ہوں۔ پھر اپنی سمجھ کے موافق آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی کا
مفہوم تجویز کرتا ہو جو منشاء کلام کے بالکل خلاف ہوتا ہو جسکے باعث خود بھی
ہوتا ہو اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہو۔ حالانکہ زباں دانی اور شے ہو اور فہم
ن اور فہم حدیث اور شے ہو۔ اسکے لئے کچھ اور لوازمات بھی درکار ہیں اگر محض
ں دانی سے عالمِ دین ہو جاتا تو تمام مشرکین عرب کا علماء دین میں شمار ہوتا اور
حابہ کرام کی جماعت جو بہترین زباں داں تھی دین کے فہم میں ایک دوسرے کی
تاج نہ ہوتی۔ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ۝
فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝
اسی کے ہم مثل ایک دوسرا خطرہ ہو۔ بعض لوگ محض تراجم پڑھکر مذہب کے
تعلق بے باکانہ تنقید اور آزادانہ خیالات کا اظہار شروع کر دیتے ہیں۔ جس کو

اصل تعلیم سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ مگر خوبی بیان سے متاثر ہو کر لوگ مغالطہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور گمراہ ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان کی حقیقت اُس ڈاکٹر یا بیرسٹر سے زائد نہیں ہوتی جس نے کہیں باقاعدہ تعلیم و پریکٹس نہ کی ہو۔ صرف چند کتابوں کے ترجمے دیکھ کر ڈاکٹر اور بیرسٹر بن گیا ہو۔

اس سے بڑھکر ستم یہ ہے کہ اسلام کا مطالعہ اور اسلام کی واقفیت غیر مسلم مصنفین کی کتابوں کے ذریعہ حاصل کی جاتی ہے نتیجہ وہ ہوتا ہے جو ہونا چاہیے "کوہ کندن کاہ برآوردن"

ع کرا رہبری کند او کہ خویشتن گم است

ہر چیز اس کے اہل سے مل سکتی ہے۔ بیماری کے متعلق ماہر طبیب اور ہوشیار ڈاکٹر کی طرف رجوع کیا جائیگا۔ کسی بڑے فلاسفر اور سائنس داں سے بیماری کے متعلق تحقیقات کرنا فتنۂ عقل اور کج فہمی ہے۔

یہ اس تعلیم و تربیت کے عمومی مسموم اثرات ہیں جو نہایت تیزی کے ساتھ پھیل رہے ہیں اور ہمیں تباہ کر رہے ہیں۔ ان میں بہت سے نیک فطرت انسان ایسے بھی نکلے جو ان اثرات سے متاثر نہ ہوئے یا متاثر ہوئے مگر پھر ان اثرات سے دست بردار ہو کر اسلامی رنگ میں رنگے گئے۔ البتہ ایسی کوئی مثال نہ ملے گی کہ جدید و قدیم اثرات یکجا ہم رنگ و ہم آہنگ ہو گئے ہوں۔ ایک رنگ اختیار کرنے کے لئے لامحالہ دوسرے کو خیرباد کہنا پڑے گا۔ اب سب سے اہم ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمانوں کے اس غالب عنصر کو جو جدید تعلیم و تربیت سے متاثر ہو کر ناواقفیت کی وجہ سے اسلام سے کنارہ کش ہو رہا ہے پھر اسلام کے آغوش میں لیا جائے۔ اور اس کام کو وہی لوگ زیادہ خوبی سے انجام دے سکتے ہیں جنھوں نے اس ذائقہ کو

کر اس کا کڑوا پن محسوس کر لیا ہے۔

یہ ان حوادث و خطرات کا اجمالی نقشہ ہے جو اسلام کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں مخالف ہواؤں کے باوجود اسلام کا بقا محض حفاظت غیبی اور نصرت خداوندی ہے اسلام کی حقانیت اور صداقت کا بین ثبوت ہے۔

نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون   بیشک ہمنے نازل کیا ذکر (قرآن) کو اور ہم ہی اسکے لئے محافظ ہیں

اس مختصر گزارش سے یہ بات بھی ذہن نشین ہو گئی ہو گی کہ ہماری تباہی اور بربادی کے باعث غیروں کے براہ راست حملے نہیں بلکہ ہم خود اسکے ذمہ دار ہیں ہمنے دانستہ یا نادانی سے ان راستوں کو اختیار کر رکھا ہے جو منزل مقصود سے ہٹا کر ہلاکت و بربادی کیطرف لے جا رہے ہیں۔ اگر اب بھی ان تباہی اور بربادی کے راستوں کی ناکہ بندی کر کے صحیح راستہ پر استوار ہو جائیں تو ہماری صلاح و فلاح۔ ترقی و بہبودی میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ ہم نے خود اپنے کو بگاڑا ہے اب ہمارا ہی کام ہے کہ اپنے کو سنواریں اور اپنی اس خستہ حالی کو بدلیں۔

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم

خدا نے آجتک اس قوم کی حالت نہیں بدلی

نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت بدلنے کا

آج ہمارے تین گروہ ہیں اور تینوں اصلاح طلب اور محتاج ترقی ہیں

اوّل وہ دین دار طبقہ جو مذہب سے واقف بھی ہے اور مذہب کا پابند بھی لیکن ماحول سے متاثر اور مغلوب ہو کر اس حقیقی رنگ سے محروم ہے جو ایک سچے مسلمان پر غالب ہونا چاہیئے تھا۔ صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ۔

دوسرے وہ تعلیم یافتہ طبقہ جو نئی تعلیمات سے متاثر ہو کر اسلام سے منحرف
اور بیزار ہو رہا ہے۔

تیسرے وہ عوام کا طبقہ جو جہالت اور ناواقفیت کی وجہ سے اسلام سے دور ہو
اور تینوں طبقوں کے اصلاح اور ترقی کی سہل صورت یہ ہے کہ ان کا ہاتھ
پکڑ کر سیدھے راستہ پر قائم کر دیا جائے اور کسی طرح بندگی کا ذائقہ چکھا دیا جا
جب اس ذوق سے آشنا ہو جائیں گے تو خود بخود وارفتہ بن جائیں گے ۔

لذتِ مے نشناسی بخدا تا نچشی

ارشاد نبوی ہے :۔

والذی نفس محمد بیدہٖ لتامرن	قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان
بالمعروف ولتنھون عن المنکر	تم بھلی باتوں کا حکم کرو اور بُری باتوں سے منع کرو
ولتاخذن علی ید السفیہ ولتاطرنہ	بے وقوف نادان کا ہاتھ پکڑو اور اسے حق ما
علی الحق اطرا او لیضربن اللہ	پر مجبور کر دو۔ ورنہ حق تعالیٰ تمہارے قلوب کو خل
بقلوب بعضکم علی بعض ثم یلعنکم	ملط کر دیں گے اور پھر تم پر بھی لعنت ہو گی جیسا پہ
کما لعنھم۔ (واحد علاج ، ص	امتوں پر لعنت ہوئی۔

یہ عمومی امراض ہیں ان کے لئے خصوصی تدبیر کارگر اور نتیجہ خیز نہ ہوں گی
بلکہ وہی علاج اور طریق کار اختیار کرنا ضروری ہے جو سید الانبیاء والمرسلین نے تمام
دنیا کی اصلاح کے لئے اختیار فرمایا۔ اور ظاہر ہے جس کار اور طریق کار کو چھوڑنے کی
وجہ سے یہ روز بد دیکھنا پڑا اب اسکے سوا چارہ کار ہی کیا ہو سکتا ہے ؟ کہ اس اصل کام

یہ ایک طویل حدیث کا آخری حصہ ہے پوری حدیث مع حوالہ رسالہ "مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج" میں درج ہے۔

اختیار کیا جائے اور اسی نہج پر کیا جائے جو برتا ہوا اور آزمایا ہوا۔ اور خدا اور رسولؐ کا پسندیدہ اور مختار ہو۔ اسی جانب امام مالک رضی اللہ عنہ توجہ دلاتے ہیں:۔

لن یصلح اٰخر ھذہ الامۃ الا ما اصلح اولھا :: نہیں اصلاح کرسکتا آخر امت کی مگر وہی طریق جس نے اول اصلاح کی

کار اور طریق کار

ہم پہلے بتا چکے کہ مقصود زندگی مولیٰ کی بندگی ہے۔ اور انسان کا منتہائے کمال "کمال بندگی" سے آراستہ ہونا۔ اگرچہ عقل انسانی کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ بندگی سے آراستہ ہو اور کمال حاصل کرے، لیکن نفس انسانی کی پوری کوشش یہ ہوتی ہے کہ بندگی سے ہٹائے اور کمال سے دور رکھے۔ یہ عقل و نفس کی باہمی کشمکش انسان کی خصوصی اور امتیازی شان ہے جس پر ترقی کا دار و مدار ہے۔ اگر امتحان میں کامیاب ہوگیا فائز المرام ہوگیا اور جو رہ گیا سو رہ گیا۔

حکمت خداوندی نے عقل پر اکتفا نہ کیا بلکہ عقل کی دستگیری اور رہنمائی کے لئے انبیاء و رسل علیہم السلام کی مقدس جماعت کو مبعوث فرمایا تاکہ عقل بھٹکنے نہ پائے ہمیشہ راہ یاب رہے۔ اس مقدس جماعت کی بعثت کا مقصد مخلوق کو خالق کی بندگی کی طرف بلانا اور مقتضیات بندگی سے آگاہ کرنا اور بندگی کا عملی نمونہ پیش کرنا خود بندہ بنکر زندگی گذارنا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ	اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر وحی کی اسکی طرف
اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۔	یہ کہ نہیں کوئی معبود سوائے میرے بس میری ہی بندگی کرو

چنانچہ ہر نبی نے اپنی قوم کو بھی ایک پیغام سنایا اور اسی ایک مقصد کی طرف

لوگوں کو بلایا اور بندگی کا عملی سبق سکھایا۔

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۔ کہا نبی نے اے قوم بندگی کرو اللہ کی نہیں ہے تمہارے لئے کوئی معبود اسکے سوا۔

جب دنیا کے ہر گوشے میں یہ پیام پہنچ گیا ہر قوم اس آواز سے آشنا ہوگئی۔

وَاِنْ مِّنْ قَوْمٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۔ اور نہیں ہے کوئی قوم مگر گذرا ان میں ڈرانے والا

تو وہ آفتاب رسالت جلوہ فرما ہوا جسکی روشنی سے تمام عالم کو منور کرنا تھا اور رہتی دنیا تک اس روشنی کو قائم رکھنا تھا۔ اس لئے ہر اس شخص کو جو اس آخری پیام پر لبیک کہے۔ اس فریضہ منصبی کی ادائیگی میں شریک کار بنا دیا گیا تاکہ رسالت و نبوت کے سلسلہ کو ختم کرکے کار رسالت اور کار نبوت کی ذمہ داری دوسرے لوگوں کے سپرد کردی جائے۔ اور جو کام پہلے افراد سے لیا جارہا تھا اس کو لیکر جماعتیں کھڑی ہوں اور اجتماعی طور پر سر انجام پائے۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ اے محمد کہدیجئے یہی میرا راستہ ہے بلاتا ہوں اللہ کیطرف بصیرت کیساتھ میں اور جو بھی میرا اتباع کرے۔ اللہ پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں نہیں ہوں

آفتاب رسالت نے فاران کی چوٹی سے نمودار ہوکر صدائے "لا الہ الا اللہ" (کوئی بندگی کے لائق نہیں سوائے اللہ کے) بلند کی اور مخلوق کو خالق کی بندگی کیطرف بلایا۔ اس پیام حق کو ماننا تو درکنار کوئی متنفس اس آواز کو سننے کے لئے بھی تیار نہ تھا۔ ایک صدا لئے حق تھی اور ساری دنیا سے ٹکراؤ۔ ہر جانب سے مخالفت کے دریا امنڈ رہے تھے۔ اپنے بیگانے اور احباب واعزا اعدا بن گئے ان ناساز گار

حالات کے باوجود ایک مقدس ہستی (فداہ ابی وامی) اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ کے تعمیل ارشاد میں سرگرم و سرگرداں تھی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم آپ کا اور آپ کے رفقاء کا شب و روز یہی مشغلہ تھا کہ لوگوں کے گھروں پر گلی کوچوں میں مجلسوں میں، مجمعوں میں ہر جگہ خود تشریف لیجاتے۔ فرداً فرداً ہر شخص کو سمجھاتے مجمع کو خطاب کرتے، غرض ہر اذیت اور تکلیف برداشت کرکے لوگوں تک دعوت حق کا پیام پہنچاتے۔

آخر کار یہ حکمت و موعظت کا طریق کارگر ہوا۔ لوگوں نے آہستہ آہستہ اس پیام حق کو سنا اور ماننا شروع کیا۔ جو شخص اس پیام کو مانتا تھا وہ دوسروں کے لئے اس پیام کا داعی اور مبلغ بن جاتا تھا۔

دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ہر شخص کا یہی کام تھا کہ وہ دوسرونکو بھی حق کی طرف بلائے۔ بارگاہِ رسالتؐ سے علم حاصل کرے اور اس علم کو دوسروں تک پہنچائے۔ ہر بات پر خود عمل کرے اور دوسروں سے عمل کرالے۔ گویا بیک وقت ہر شخص متعلّم بھی تھا اور معلّم بھی۔ داعی الی الخیر بھی تھا اور مبلّغ بھی۔ خود عامل بھی تھا اور دوسروں کے لئے آمر بھی۔

یہ طریق اصلاح سہولت اور کامیابی کے اعتبار سے معجزہ ثابت ہوا۔ چنانچہ بہت جلد جہالت و ضلالت میں ڈوبے ہوئے انسانوں کی حالت بدل گئی۔

"جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کے ہادی بنگئے"

اور ۲۳ سال کے بعد جب یہ آفتاب رسالت سرزمین یثرب میں پردہ پوش ہوا تو دنیا نے جانچا ہو کر افق عالم پر ایک لاکھ سے اوپر ایسے تارے روشن ہو چکے تھے جن میں سے

ہر ایک کا نور عالم کو درخشاں کرنے کے لئے کافی تھا۔ اس لئے کہ ہر ایک کو مقتدائی اور پیشوائی کی سند عطا ہو چکی تھی۔ ارشاد نبوی ہے

اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم ؛ میرے صحابہ تاروں کے مانند ہیں جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

حالانکہ وہاں بظاہر نہ کوئی مدرسہ تھا نہ کوئی تربیت گاہ جہاں مردوں اور عورتوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام ہو۔ مگر درحقیقت ہر گھر مدرسہ بھی تھا اور مستقل تربیت گاہ بھی اور ہر شخص متعلم بھی تھا اور معلم بھی۔ خود محاسن سے آراستہ بھی تھا اور دوسروں کی آراستگی کا ذریعہ بھی۔ اور ان سب معلموں اور متعلموں اور تربیت گاہوں کا تعلق اس مرکزی خس پوش مسجد سے تھا جو جمال نبوی کی جلوہ گاہ تھی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند سالوں میں ایسی ہزاروں ہستیاں ظاہر ہو گئیں کہ دنیا صدیوں کوشش کرنے کے بعد ان جیسا ایک بھی بنانے سے قاصر ہے۔ وجہ صرف ایک ہو کہ ایک ایسے مرکز سے وابستہ ہو گئے تھے جہاں خوبی ہی خوبی، ہو عیب کا نام تک نہیں۔ اور ایک ایسے کام کو لے کر کھڑے ہوئے تھے جو تریاق بھی تھا اور تریاق ساز بھی۔

اب پھر ضرورت اسی بات کی ہو کہ اس بھولے ہوئے سبق کو دہرایا جائے اور اس حد تک دہرایا جائے کہ زندگی کا رخ سیدھے راستہ پر پڑ جائے۔ اور ساری زندگی بندگی کے سانچے میں ڈھل جائے۔ مگر ہماری طبیعتیں اس قدر ٹیڑھی ہو چکی ہیں کہ ان کا راہِ راست پر لانا خود ایک لاینحل مرحلہ ہو۔ اس لئے سہولت کار کے لئے ایک مختصر طریق کار کی پابندی ضروری اور لابدی ہو جس کے چند اجزا ہیں۔

(۱) خدا کی خدائی، خدا کی یکتائی، خدائی حکومت۔ خدائی زور و تسلط اپنی محکومی اور بندگی اور غلامی کا اعتراف۔ اور اس حد تک اعتراف کہ زبان سے اقرار ہو

کان آشنا ہوں اور دل کی گہرائیوں میں ایسا پیوست ہو جائے کہ خود بخود بندگی اور غلامی کے جذبات نشو و نما پائیں۔ پھر اس بات کا اعتراف کہ بندگی اور غلامی اسی طرح کروں گا جس طرح اللہ کے رسول نے بتلایا ہے اور زندگی کو اس دستور العمل کے موافق گزاروں گا جو سید الانبیاء والمرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہمیں بتلایا ہے یہی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا مفہوم اور مقصود ہے۔ اس کلمہ اور اس کے مفہوم کی بار بار اتنی تکرار ہو کہ دل و دماغ میں سما جائے۔ اور نفس انسانی مجبور و ناچار ہو کر خود بخود خوگر بندگی بنجائے۔

(۲) بندگی کا یہ قولی اعتراف تھا۔ عملی اعتراف نماز ہے جسکو شب و روز میں اوقات مقررہ پر ماموربہ طریق کے ساتھ ادا کرنا ہر مسلمان کے لئے لازمی ہے۔ مگر یہ اعتراف رسمی نہ ہو بلکہ حقیقی ہو جس کا پوری زندگی پر اثر پڑے اور زندگی گندگی سے شستہ ہو کر بندگی سے آراستہ ہو جائے۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ؕ بیشک نماز روکتی ہے فواحش اور برائی سے۔

عملی اعتراف کا دوسرا طریق روزہ ہے کہ سال کے ایک مقرر اور مبارک مہینہ (رمضان) میں مالوفات کو چھوڑ کر نفس کو بندگی پر مجبور کرنا یہ جانی اعتراف ہے۔ دوسرا شعبہ مالی اعتراف کا ہے۔ یعنی محنت و مشقت کر کے مال حاصل کرو اور جب ایک خاص مقدار تک پہنچ جائے تو مولائے کریم کے نام کا چالیسواں حصہ نکالکر اس کے نادار بندوں کے حوالہ کر دو۔ جسکو زکوٰۃ کہتے ہیں۔ جانی اور مالی دونوں کا یکجائی اعتراف حج بیت اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

(۳) اس دستور العمل اور آسمانی کتاب کے ساتھ تعلق اور لگاؤ پیدا کرنا

جو ہماری ہدایت اور رہنمائی کے لئے نازل کی گئی - اور پیام ربانی کی اس شغف اور عظمت و محبت کے ساتھ تلاوت کرنا کہ جسم کا رواں رواں متاثر ہو جائے اور اس دستور کے موافق زندگی گذارنے کے جذبات برانگیختہ ہوں - وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ ۝ اور بیشک آسان کیا ہمنے قرآن کو نصیحت کیلئے پس کیا ہو کوئی نصیحت پکڑنے والا

اس کیساتھ ساتھ کچھ وقت ان دینی کتابوں کے پڑھنے پڑھانے میں صرف کرنا جنسے قرآن کریم کے تفصیلی احکام معلوم ہوں تاکہ ان احکام خداوندی پر عمل پیرا ہو علم عمل کی طرف رہبری کرے اور عمل دوسرے علوم و معارف کی رہنمائی کرے -

ارشاد نبوی ہے:-

من عمل بما یعلم اورثہ اللہ علم مالم یعلم - جو شخص عمل کرا سپر جسکو جانتا ہے دیتا ہو اسکو اللہ تعالےٰ وہ علوم جو نہیں جانتا

(۴) کچھ وقت اپنے مولائے کریم کے دھیان اور ذکر و فکر میں گذارے - اس پاک ذات کا تصور اور ادراک ناممکن اور محال ہی - اس لئے اسکی عالی صفات کے ذریعہ مشاہدہ خداوندی میں مشغول ہو اور کلمۂ تمجید

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ

اللہ ہر کمی سے پاک ہی - سب تعریف اللہ کیلئے ہو - اللہ کیسوا کوئی بندگی کے لائق نہیں - اللہ سب سے بڑا ہی اور نہیں طاقت و قوت

اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ - کو سو مرتبہ صبح اور سو مرتبہ شام معنی اور مفہوم کا

مگر اللہ بلند عظمت والے کی -

دھیان کرتے ہوئے پڑھے -

اور ادا ر بندگی میں غفلت و کوتاہی پر نادم و شرمسار ہو کر صمیم قلب سے دو سو مرتبہ استغفار پڑھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا محسن اور مربی سمجھ کر ادائے شکرانہ کے طور پر دو سو مرتبہ درود شریف پڑھے -

(۵) ان بندگان خدا کیساتھ جو بندگی کا اعتراف کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے۔ حسن سلوک اور عزت و حرمت کا برتاؤ کرنا۔ ان کے حقوق کو ادا کرنا۔ انکی ایذا رسانی کے طریقوں سے بچنا اور راحت رسانی کی صورتیں پیدا کرنا۔ ہر حال میں غیروں پر ان کو ترجیح دینا۔ بالخصوص مقربان بارگاہ خداوندی اور علماء علوم نبوی کی عظمت و توقیر کرنا۔ جو اس امانت خداوندی کی بقا اور حفاظت کا ذریعہ ہیں۔

ارشاد نبوی ہو من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا ولم یعظم علمائنا فلیس منا (جو شخص ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑے کا وقار نہ کرے اور ہمارے علما کی تعظیم نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں)

ان چند کاموں کا کرنا ہر شخص کے لئے آسان ہو۔ اور ہر شخص کی اسلامی ترقی کا یہی کام ذریعہ بن سکتے ہیں جس سے کوئی ذی فہم انکار نہیں کر سکتا۔ اگر انکے علاوہ کوئی اور ترقی کا ذریعہ ہوتا تو ضرور ہمیں بتلا یا جاتا۔ مگر تنہا ان امور کی پابندی کرنا ایک انفرادی ترقی ہو جو اسباب کی ناہمواری اور ماحول کے فساد کی وجہ سے مشکل بھی ہو اور دیر طلب بھی۔ اگر اسکے ساتھ انبیاء کرام اور صحابہ عظام کے طریق کار کو ملا لیا جائے اور اجتماعی طور پر ان باتوں پر عمل کرنے اور عمل کرانے کی کوشش شروع کر دیجائے تو بہت جلد ترقی ہو اور مقصود تک رسائی ہو جائے۔ خود بھی جلد کامیاب ہو اور دوسرے بھی کامیابی اور ترقی کے راستہ پر پڑ جائیں۔

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۔

جو لوگ کوشش کرتے ہیں ہمارے بارے میں ضرور ہدایت دیتے ہیں ہم انکو اپنے راستوں کی۔

اس کی صورت یہ ہو کہ اپنا کچھ وقت دعوتِ حق کے لئے فارغ کریں اور جماعتیں

بناکر اجتماعی طور پر در بدر کوچہ بہ کوچہ، گاؤں در گاؤں، شہر در شہر ان مقاصد کو لیکر پھریں اور مسلمانوں کو ان امور کی پابندی پر آمادہ کریں۔ مخالفوں کی مخالفت، دشمنوں کی دشمنی، غیروں کی ایذا رسانی کی پرواہ نہ کریں اور ہر مشقت اور تکلیف کو برداشت کرکے دوسروں کو حق کی طرف بُلائیں جیساکہ تمام انبیاء کرام کا طریق اور سید الانبیاءؑ والمرسلین کی خصوصی شان تھی۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

پھر مہینہ میں سے کچھ دن اور سال میں سے چند مہینے اس نظریہ سے فارغ کریں کہ یہ دن ایسی طرح گذارے جائیں جس طرح انبیاء کرام نے پُوری زندگی گذاری اور اظہار بندگی کا وہی طریقہ اختیار کیا جائے جسکو انبیاء کرام نے اختیار کیا اور چند دن زندگی کو اصلی رنگ میں گذارنے کی سعادت حاصل کیجائے۔

چند آدمی اس خیال میں ہم خیال ہوکر ترک وطن کریں اور دوسری جگہ کا سفر کریں۔ وہاں مجاہدانہ زندگی ہو۔ باہم اخوّت اسلامی اور موالات ہو۔ باہمی ہمدردی، غمگساری، رواداری کا پُورا مظاہرہ ہو اور سارا وقت دین سیکھنے دین سکھانے، دوسروں کو حق کی طرف بلانے اور خدا کے کام اور کلام کے فروغ دینے اور خدا کی یاد میں صرف ہو اور قدم قدم پر دعا اور التجاء الی اللہ ہو

اپنے میں جو زیادہ علم والا ہو اس کو اپنی جماعت کا معلّم مقرر کریں تاکہ ہر ایک کی حیثیت کے موافق اس کی تعلیم کا نظم ہو۔ اور ایک سمجھدار شخص کو اپنا امیر بنالیں تاکہ وہ سب کی نگرانی کرے اور سب کو تعلیم و تعلّم اور تبلیغ و تذکیر اور یاد الٰہی میں مصروف رکھے اور سب کی راحت رسانی اور خدمت گذاری اپنا فریضہ منصبی سمجھے۔ ان چند دنوں کا مشغلہ تعلیم و تعلّم بھی ہو اور نفس کی تربیت اور اصلاح بھی اور رشد و ہدایت

کا کام بھی تو گویا یہ چلتی پھرتی مکتب اور خانقاہ بھی ہو اور رشد و ہدائیت کی جماعت بھی اور گویا یہ چند دن نمونہ ہوں اسلاف کی زندگی کا۔ اس زندگی کا جو خدا اور رسولؐ کو مرغوب اور پسندیدہ ہی۔ تاکہ

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ	بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنھوں نے ترک وطن کیا اور اللہ کے راستے میں جد وجہد کی۔ یہی لوگ ہیں جو امید وار (مستحق) ہیں رحمت خداوندی کے۔

کے زمرے میں داخل ہو۔ اور اس فضیلت اور برتری کو حاصل کرے جس کو بے عذر گھر میں بیٹھنے والا کسی طرح حاصل نہیں کرسکتا۔

لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِیْنَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ عَلَى الْقٰعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝	برابر نہیں وہ مومن جو بلا عذر گھر میں بیٹھے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے کوشش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا درجہ بہت زیادہ بلند کیا ہی جو اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں کوشش کرتے ہیں بہ نسبت گھر میں بیٹھنے والوں کے اور سب سے اللہ تعالیٰ نے اچھے گھر کا وعدہ کر رکھا ہی اور اللہ تعالیٰ نے کوشش کرنیوالوں کو بمقابلہ گھر میں بیٹھنے والوں کے بڑا اجر عظیم دیا ہی یعنی بہت درجہ اللہ کیطرف سے اور مغفرت اور رحمت اور اللہ بڑی مغفرت و رحمت والے ہیں۔

اور اس "حیوۃ طیبہ" کا نقشہ کھینچتا ہے جو اعمال صالحہ سے آراستہ ہو۔ اور ہمارے رب کی طرف سے ہم کو عطا کی گئی ہو۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ٥

جو مرد و عورت اچھے عمل کرے اور وہ مومن ہو پس دیں گے ہم اس کو حیوٰۃ طیبہ (پاکیزہ زندگی) اور اسکے اچھے کرودار کا اچھا بدلہ دیں گے۔

اس کام سے مقصد دوسروں کی ہدایت نہیں۔ اس لئے کہ کسی کو ہدایت دینا صرف خدا کا کام ہے۔ یہ رسولوں کے بھی بس کی بات نہیں۔ سید الانبیاء والمرسلین کے متعلق ارشاد ربانی ہوا:-

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ٥

بیشک تم نہیں ہدایت دے سکتے جسکو پسند کرو لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسکو چاہے۔

بلکہ مقصود اس ذمہ داری کا ادا کرنا ہے جو رسول خدا کی طرف سے لائے اور ہمارے حوالے کر گئے اور اس فریضہ بندگی کو ادا کرنا ہے جسکی خاطر ہمیں وجود بخشا گیا اور گوناگوں نعمتوں سے نوازا گیا۔ اور اس امر خداوندی کی بجا آوری ہے جس پر ہماری ترقی اور فلاح و بہبود منحصر ہے اور اس طرز زندگی کو اختیار کرنا ہے جو خدا اور رسول کو مرغوب اور محبوب ہے جو ہمارے لئے بھی سراسر خیر ہے اور دوسروں کے لئے بھی۔

پھر اگر ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ ہماری انفرادی اور اجتماعی ترقی اور فلاح اور عمومی تربیت اور اصلاح کے لئے اسکے علاوہ اس سے بہتر اور سہل کوئی دوسرا طریق ہے بھی نہیں۔ اگر موجودہ پیدا شدہ امراض کا کوئی علاج ہے تو صرف یہی طریق اور آئیندہ مشکلات کا کوئی حل اور دفعیہ ہے تو یہی کام۔ یہ بنیادی کام ہے اور اسلام کی جڑوں کی مضبوطی۔ جب جڑیں مستحکم ہوں گی تو شاخیں اور پتے خود بخود سرسبز اور شاداب ہو جائیں گے اور پھل پھول دیں گے لیکن جڑوں کو کھوکھلا کر کے شاخوں اور پتوں کو سرسبز

رکھنے کی کوشش کرنا ہو رپھل پھول کی توقع رکھنا محض خیال خام ہے۔

اس کام کا مقصد حکومت اور سلطنت نہیں کہ حکومت و سلطنت صرف للہ رب العالمین کے لئے ہی وہی احکم الحاکمین ہے وہی مالک السمٰوت والارضین ہو اس کے سوا کسی کو حکومت و سلطنت کا کوئی حق نہیں۔ بس حکومت و سلطنت مومن کے لئے مطلوب و مقصود نہیں بن سکتا۔ نہ انبیاء اور رسولوں نے اسے مقصود اصلی بنایا۔ اگر مقصود بناکر اس کو حاصل کرنا چاہتی تو یہ برگزیدہ جماعت بھی ہرگز کامیاب نہ ہوتی۔ بلکہ مقصود اعلاء کلمۃ اللہ ہو اور رب العالمین کی محکومی اور غلامی کو اختیار کرنا۔ احکام خداوندی کو جاری کرنا۔ خدا کے نام کام اور کلام کو سربلند کرنا۔ البتہ اس کے نام کام اور کلام کی سربلندی پر مومنوں کی سربلندی اور اقبال لازم ہے۔

لَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○	نہ سست بنو اور نہ غمگین بنو اور تم ہی سربلند ہو اگر تم مومن ہو۔
لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ	اور اللہ ہی کے لئے ہی عزت اور اسکے رسول کے لئے اور مومنوں کے لئے و لیکن منافق نہیں جانتے

جس دور میں اللہ اور رسول کے نام اور کام اور کلام کی برملا بے وقعتی ہو رہی ہو وہاں مومنوں کی عزت و شوکت کا خیال ایک خواب پریشان ہی جو شرمندۂ تعبیر نہیں۔

مسلمانوں کے لئے جو کچھ دنیاوی وعدے کئے گئے ہیں وہ سب مشروط ہیں ایمان کی پختگی اور اعمال صالحہ سے آراستگی کے ساتھ جب یہ نہیں تو وہ کیوں کر ہو؟

اس کام سے مقصد کسی نئی تحریک کا جاری کرنا یا کسی نئی جماعت کا بنانا نہیں یہی جدت پسندی اور جماعت بندی اور تفرقہ اندازی ہماری ہوا خیزی اور آبرو ریزی

کا باعث بنی بلکہ مقصد اس قدیم ترین کام کا احیاء ہے جو تمام انبیاء کرام کا مشترک مقصد تھا اور اس ملت بیضاء کا زندہ کرنا ہے جس کا نام ازل سے مسلمان رکھا گیا هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ (اسی نے نام رکھا ہے تمہارا مسلمان) جن کی خصوصی نشانی جبہ سائی کے انمٹ نشانات ہوں سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُوْدِ انکی علامت انکے چہروں میں ہے سجدوں کے اثر سے اور اس جماعت خداوندی کو اپنے کار منصبی پر استوار کرنا ہو جو اپنی بے عملی کی وجہ سے ناکارہ اور سست بنی ہوئی ہو۔ أُولٰئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ اس کام سے مقصد کوئی نیا انقلاب نہیں بلکہ ہر انقلاب کو "مردہ باد" کہہ کر اس انقلاب عظیم کو زندہ کرنا ہو جس نے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے رونما ہو کر مخلوق کو انسانیت سے روشناس کرایا اور تمام ہلاکت و بربادی کے راستوں کو بند کر کے امن و سلامتی کا راستہ دکھلایا اور اس اوج کمال پر انسان کو پہنچایا جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا قاصر و عاجز ہے

یہ کام مسلمانوں کی ترقی۔ صلاح و فلاح تعلیم و تربیت کا عمومی سہل مفید ترین طریقہ ہو جس میں خیر ہی خیر ہو اور خرابی کوئی نہیں سراسر اصلاح ہو افساد کا خطرہ بھی نہیں۔ کامیابی ہی کامیابی ہو ناکامی کا شائبہ بھی نہیں اور جب نصرت خداوندی کا وعدہ یقینی تو پھر ناکامی کیسی؟

إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ — اگر تم اللہ کا کام کروگے تو وہ تمہاری مدد کریگا اور تمہیں
حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ — ثابت قدم رکھے گا لازم ہی ہم پر مومنوں کی مدد۔

بشرطیکہ مسلمان اس کو قبول کریں اور ہمت و استقلال کے ساتھ اس کام کو لے کر کھڑے ہوں کہ سابقہ کوتاہیوں کی مکافات ہو جائے اور پیش آنیوالی بلاؤں کا سد باب ہو جائے پھر یہاں بھی سرسبزی اور شادابی ہوگی اور خدا اور رسول کے یہاں بھی نیک نامی اور سرخروئی۔

اس کام کے نتائج اور ثمرات

اس کام سے مقصد جس کو بار بار ظاہر کیا جا چکا او امر خداوندی کی بجا آوری اور رضائے خداوندی کی طلب ہے۔ ؎

دست از طلب ندارم تا جان من بر آید   یا جاں رسد بجاناں یا جاں زتن بر آید

لیکن یہ شان ربوبیت کا تقاضا ہو کہ ہر امر ربانی کی بجا آوری میں بے شمار دنیوی منافع حاصل ہوتے ہیں جو عقل انسانی کی حدود سے باہر ہوتے ہیں۔

اس امر خداوندی کی بجا آوری میں جو نتائج وثمرات دنیا میں حاصل ہوں گے ان میں سے بعض کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے۔

(۱) علمی عملی ترقی ذہنی بیداری۔ اخلاق کی بلندی حسن معاشرت حسن معاملہ حسن سلوک باہم موالات اور اخوت اسلامی۔ ان سب امور میں بتدریج اضافہ ہوگا۔ عمومی سطح پستی سے بلندی کی طرف بڑھیگی دل و دماغ میں تازگی شگفتگی طاقت پرواز بڑھے گی اور ہمت و استقلال آگے بڑھائیگی۔

(۲) فواحش و منکرات کا انسداد۔ بداخلاقیوں اور بدکرداریوں کی روک تھام فضولیات اور لغویات سے بیزاری۔ غرض تمام برائیاں رفتہ رفتہ چھوٹ جائیں گی اور طبیعت از خود ان سے متنفر ہوگی اور دنیا امن وامان راستی اور سلامتی کا گہوارہ ہوگی۔

(۳) جب ہر شخص دوسرے کی خیر خواہی میں ہوگا تو باہمی نزاعات اور اختلافات دور ہونگے جب ہر ایک میں ہمدردی رواداری غمگساری ہوگی تو دنیا راحت کدہ بنجائیگی اور ہر جگہ اطمینان چین وسکون ہوگا

(۴) جب باہم عزت وحرمت کا برتاو کرینگے بڑوں کی عزت اور چھوٹوں پر شفقت ہوگی تو اتفاق واتحاد ویک جہتی پیدا ہوگی اپنوں میں بھی عزت ہوگی اور اغیار بھی عزت واحترام کرنے پر مجبور ہونگے۔

(۵) مدارس، مساجد خانقاہیں غرض تمام دینی مجالس اور مجامع میں رونق ہوگی۔ جب دین کی

طلب اور ضرورت محسوس ہو گی تب دینی مراکز کو فروغ ہو گا اور ان کی اصلی قدر و قیمت معلوم ہو گی۔ یہ وہ امور ہیں جن پر قوموں کے عروج اور زوال کا مدار ہوتا ہے اور ان کے حصول کے لئے ہر نوع کی قربانی ارزاں سمجھی جاتی ہے۔

اگر بفرض محال مان بھی لیا جائے کہ دنیاوی منافع مرتب نہ ہوں گے اور دنیاوی کوئی فائدہ نہ ہو گا تو خدا اور رسول کی رضا اور خوشنودی وہ نعمتِ عظمیٰ ہے جس پر دونوں عالم نثار ہیں۔ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ

در ضمیر ما نمی گنجد بجز از دوست کس ؎ ہر دو عالم را بدشمن دہ کہ مارا دوست بس

آپ حیرت نہ کریں کہ ایک گم گشتہ راہ رشد و ہدایت کا سبق دے رہا ہے مگر در حقیقت یہ میرا درس نہیں

درپس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند ؎ آنچہ استاذ ازل گفت ہماں می گویم

یہ چند سطور محض رہبری ہیں اس نظام عمل کی طرف جسکو سیدی و مولائی حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب نے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے جاری کیا ہے مزید واقفیت کے لئے رسالہ "مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج" رسالہ تبلیغ اور اسلامی زندگی بھی ملاحظہ فرماویں بحیثیت یہ کوئی علمی بحث نہیں جسکو سمجھانے کے لئے کتابی نقوش کافی ہوں بلکہ ایک روحانی سبق اور عملی نظام کا لفظی خاکہ ہے جسکو سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ آپ حضرت موصوف کی خدمت میں حاضر ہوں اس عملی نظام کے امکانات کو سمجھیں اسکے نتائج اور ثمرات مشاہدہ کریں اور روح پرور مناظر سے بہرہ اندوز ہوں "مشک آں است کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید"

اللھم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم واجعلنا منہم برحمتک یا ارحم الراحمین
والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

۱۵ شعبان ۱۳۶۲ھ

محمد احتشام الحسن

بستی حضرت نظام الدین اولیاء دہلی

تاثرات

از علامہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی

۱۱ر جولائی کی دوپہر کو تھانہ بھون کے اسٹیشن پر حسن اتفاق سے حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلوی سے ملاقات ہوئی جنہوں نے بستی نظام الدین دہلی میں تبلیغ دین کی دعوت کا کام پندرہ سولہ برس سے شروع کر رکھا ہے۔ اور جن کے فیضِ اثر سے میوات کے علاقہ میں جہاں تیس چالیس لاکھ نومسلموں کی آبادی ہے انقلاب عظیم پیدا ہوگیا ہے حضرت ممدوح کے نام اور کام سے تو پہلے سے آشنا تھا، ہمارے مدرسہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے بعض مدرسین اور طلبہ اکثر اُن کی خدمت میں حاضر، ان کی صحبت سے مستفید اور ان کے تبلیغی کاموں میں شریک ہوتے رہے ہیں لیکن خاکسار ابھی تک ذاتی طور سے ان کی ملاقات سے محروم اور ان کے کاموں کی حقیقت اور نوعیت سے لاعلم تھا تھوڑی دیر اسٹیشن پر اور پھر تھانہ بھون سے کاندھلہ تک ریل پر غرض گھنٹہ دو گھنٹہ ان کا ساتھ رہا۔ اور ان کی دعوت کے مقصد اور طریق کو سمجھتا رہا، بحمد اللہ کہ انھوں نے اتنی دیر میں جو کچھ فرمایا وہ دل میں ایسا پوری طرح اتر گیا کہ موصوف کے ارشاد پر ان کے ایک جلسہ میں جو دہلی میں حبش خاں کے پھاٹک میں ۱۲ر جولائی کی شب کو ہوا۔ خاکسار نے اس دعوت کے مقاصد و طریق پر تقریر کی۔

۔اذا اراد اللہ شیئاً ھیّأ اسبابہ جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا ارادہ فرماتے ہیں تو اُس کا سامان بھی پیدا کر دیتے ہیں۔ ندوۃ کے بعض حضرات مدرسین اور ان میں سے خصوصاً برادرِ عزیز و محبوب مولٰنا ابوالحسن علی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ ورفع شانہٗ (حضرت مولٰنا سیّد عبدالحیّ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم ندوۃ العلما کے چھوٹے صاحبزادے) جن سے ہماری بڑی توقعات قائم ہیں، مولانا کاندھلوی کے اوصاف جمیل اور ان کی دعوت کے مقاصد و مہمات کے گرویدہ تھے، اور مجھ سے بار بار ان کا تذکرہ کرتے رہتے تھے، اور ان کو لکھنؤ لانے کے باب میں مجھ سے مشورہ بھی چاہا کرتے تھے، لیکن چونکہ ابھی اس کا مقررہ وقت نہیں آیا تھا، اس لئے یہ کام مشورہ سے آگے نہیں بڑھا، لیکن عین اس وقت جب ان سے تھانہ بھون اور دلی میں میری ملاقات ہوئی، ان کے لکھنؤ کے سفر کا پروگرام بھی تیار ہو گیا، اور مولٰنا ابوالحسن علی اور ان کے رفقار کی دعوت پر مولٰنا نے مع ساٹھ رفقار اور مبلغین کے لکھنؤ آنے کا عزم کر لیا۔ چنانچہ جولائی کے تیسرے ہفتہ سے چوتھے ہفتہ تک یہ حضرات لکھنؤ آتے رہے۔ اور دارالعلوم ندوۃ العلمار کی خوش قسمتی ہے کہ اس میں سب نے ایک عشرہ کے قریب قیام کیا، مبلغین کا بڑا حصہ مدرسہ کی مسجد میں مقیم رہا اور یہ کہیئے کہ گویا ایک ہفتہ عشرہ دارالعلوم نے وہ روحانی منظر دیکھا جو اس کے سیکڑوں تزک و احتشام کے زرق برق تماشوں سے بالکل الگ تھا، یہ فقرار کا مجمع تھا اور صلحا اور اتقیار کی جماعت تھی جس کے سامنے رضائے الٰہی کے حصول کے سوا دنیا کا کوئی مقصد نہ تھا جو تھا وہ اسی راہ سے تھا اور جو چاہا جاتا تھا وہ اسی نسبت سے۔

ان بزرگوں کو دیکھا جن کے سینوں میں ہندوستان میں اسلام کے احیاء
ور مسلمانوں کی اصلاح کی دھن تھی، ان کی نمازوں میں، ان کی دعاؤں میں۔
ن کے تہجدوں میں، ان کی شب بیداریوں میں، ان کے ذکر و شغل میں۔
ضائے الٰہی کی طلب کا نور جھلکتا تھا۔ ان کی کوششوں کا محور خدا کی خوشنودی
لی خاطر مسلمانوں میں دین توحید کی صحیح تعلیم و تلقین، کلمہ مبارکہ کی تصحیح۔
ماز پنجگانہ کی تبلیغ اور داعیوں اور مبلغوں کی جماعت بنا بنا کر اطراف و دیار میں
جاہدانہ سر فروشی کے ساتھ مہاجرت کا صحیح جذبہ تھا، میں نے اس دعوت
جہاں تک سمجھا ہے اس کی تعبیر یوں کی کہ نام کے مسلمانوں میں اسلام
حقیقی کی از سر نو تبلیغ ان ہی اصولوں پر کہ جناب سرور کائنات محمد رسول اللہ
لی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ ایک اور مقرر نے اس کو چلتے پھرتے مدرسہ
ر چلتی پھرتی خانقاہ سے تعبیر کیا۔

اس جماعت کے ساتھ حضرت مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث
ظاہر علوم سہارنپور۔ مولانا عبدالحق صاحب مدنی صدر المدرسین مدرسہ
پوری دہلی، اور دوسرے اکابر دین اور دلی کے بعض نامور تاجر بھی آئے
ر ایک ہفتہ کے قریب دارالعلوم ندوہ کی مختلف عمارتوں میں فروکش
ہے۔ لکھنؤ کے مختلف محلوں میں اس کے جلسے ہوتے رہے۔ اور اس
کے تبلیغی وفود عملی کام کرتے رہے۔ یہاں سے چند روز کے لئے اہل
نپور کی دعوت پر کانپور کو یہ قافلہ منتقل ہوا۔ اور وہاں بھی محلہ بہ محلہ اس

اس دعوت کو پھیلایا گیا، اس سلسلہ میں خاکسار کو لکھنؤ اور کانپور میں متعدد
دفعہ اس دعوت کے مقصد اور طریق پر تقریروں کا اتفاق ہوا اور دوسرے
لوگ بھی تقریر فرماتے رہے۔ جن میں سے مولانا ابوالحسن علی صاحب اور
مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کے نام ذکر کے قابل ہیں۔

(معارف نمبر ۳ جلد ۵۲

بابت ستمبر سنہ ۱۹۴۳ء

ضروری تصحیح

صفحہ ۲۹ پر ارشاد نبوی من لم یرحم صغیرنا الخ درج
ہے اس روایت کے بعض الفاظ کا حوالہ نہیں ملا اس لئے بجائے
اس کے یوں پڑھیے۔

ارشاد نبوی ہے لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یعرف حق کبیرنا ولیس منا
من غشنا ولا یکون المومن مومنا حتی یحب للمومنین ما یحب لنفسہ (طب کنز العمال)
یعنی نہیں ہم میں سے جو نہ رحم کرے ہمارے چھوٹے پر۔ اور نہ
پہچانے ہمارے بڑے کا حق۔ اور نہیں ہے ہم سے جو ہمیں دھوکہ
دے۔ اور نہیں ہوتا مومن مومن یہاں تک کہ محبوب رکھے مومنوں
کے لئے جو کچھ محبوب رکھتا ہے اپنے نفس کے لئے۔

"احتشام"

مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج

مؤلفہ

مولوی محمد احتشام الحسن (مولوی فاضل)

اس مختصر رسالہ میں اول مسلمانوں کے تنزل کے اسباب کی تحقیق کی پھر اس کا علاج قرآن مجید اور حدیث نبوی کی روشنی میں تجویز کیا اور حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب مدظلہ کے تبلیغی نظام کا دستور العمل اور اصول قواعد وضاحت کے ساتھ بیان کئے۔ قیمت چار آنے (۴ر)

شجرہ طیبہ مع رسالہ اسلامی زندگی

خاندان چشتیہ نقشبندیہ قادریہ سہروردیہ صابریہ نظامیہ کے مکمل سلسلہ شریعت وطریقت کی تعریف اور ان کا مقصد اصلی محبت نفسانی اور محبت عقلی کی توضیح۔ محبت خداوندی کے حصول کا طریقہ وہ امور جو محبت حاصل کرنے کے لئے لازمی ہیں۔ ان کے ادا کرنے کی کیفیت اور تشریح عبادت میں ذوق اور خشوع کی تدابیر۔ مختصر رسالہ ہے مگر اس کے ذریعہ ہر شخص اپنے میں انقلاب عظیم پیدا کر سکتا ہے۔ قیمت چار آنے (۴ر) ؛

ملنے کا پتہ: کتب خانہ فیضی بستی حضرت نظام الدین اولیاء دہلی ؛

رفیق حج

مؤلفہ

الحاج مولوی محمد احتشام الحسن کاندھلوی

اکثر حجاج اپنی بے علمی اور ناواقفیت کیوجہ سے دوران حج میں ایسے کام ک
گزرتے ہیں جس سے حج میں نقصان واقع ہوجاتا ہی اس ضرورت کو محسوس کرتے ہو
حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب مدظلہم العالی کے حکم سے یہ مختصر او
مفید رسالہ تالیف کیا گیا جس میں حج ادا کرنے کا طریقہ اور ہر مقام کی دعائیں اور دیگ
ضروری مسائل معتبر اور مستند کتابوں سے اخذ کرکے ایسے عام فہم و دلچسپ انداز میں جمع
کردیے گئے ہیں کہ ہر شخص اس کو دیکھ کر باسانی فریضہ حج ادا کرسکتا ہی۔ نیز حرمین شریفی
کے مقامات مقدسہ اور ان کے فضائل اور برکات بھی بیان کیے گئے تاکہ اپنی ناواقفی
کیوجہ سے ان نعمتوں سے محروم نہ رہے اور ان آداب اور طریقوں کو ذکر کردیا۔ ج
کی پابندی سے اس مبارک سفر کی برکات سے بیش از بیش منتفع ہوسکے۔

"ہر عازم حج کو یہ رسالہ اپنے ساتھ رکھنا چاہیے"

قیمت ۱۰/

منیجر کتب خانہ فیضی بستی حضرت نظام الدین اول